آئیں اپنے پیارے مطاع اور اللہ کے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کریں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱ر دسمبر ۱۹۷۰ء بمقام مسجد مبارک ربوہ)

تشہّد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت فرمائی۔

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۷﴾
فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۸﴾

(الطارق: ۱۶ تا ۱۸)

اس کے بعد فرمایا:-

آئیں آج اپنے پیارے اور محبوب اور مطاع اور اللہ کے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کریں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے مبعوث فرمایا کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے لگے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق یعنی بنی نوع انسان کے حقوق بھی ادا کرنے لگے کیونکہ اسلام کا خلاصہ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دو بنیادی پہلو یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے جو حقوق ہیں وہ بھی ادا کئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا وہ حق ادا کیا جائے جو قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے اور بندوں کے وہ حقوق ادا کئے جائیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قائم کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حق تو یہ ہے کہ انسان توحیدِ خالص پر قائم ہو وہ اللہ تعالیٰ کو اس معنی میں اور اس رنگ میں واحد و یگانہ تسلیم کرے اور یقین جانے جس رنگ میں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی ذات کی وحدانیت قرآن عظیم میں بیان ہوئی ہے اور اس رنگ کو جو اس کی صفات اور ذات میں ہمیں نظر آتا ہے اپنے اوپر چڑھا کر اس کے بندوں کے حقوق کو جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ قائم کرے اور ادا کرے۔

خدائے واحد و یگانہ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اپنی مخلوق کے لئے اکیلا ہی کافی ہے مگر دنیا اس حقیقت کو سمجھتی نہیں ہے اور اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ (الزمر: ۳۷) کی بجائے وہ یہ اعلان کرنے لگ جاتی ہے کہ یُخَوِّفُوۡنَکَ بِالَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ۔ (الزمر: ۳۷) یعنی اللہ کے سوا دوسری ہستیوں کا خوف دل میں پیدا کرتی ہے اور تنبیہہ کرتی ہے کہ فلاں عقاب سے ڈرو اور فلاں عقاب سے ڈرو مثلاً کفارِ مکّہ نے یہی اعلان کیا کہ ہمارے عقاب سے ڈرو۔ پھر کفارِ مکّہ کے ساتھ یہود بھی مل گئے۔ مکّہ سے باہر کے عرب قبائل بھی ساتھ مل گئے انہوں نے بھی کہا کہ یہ کیا نیا دین آ گیا ہے؟ ہم اسے ملیامیٹ کر دیں گے مگر کفارِ مکّہ ہوں یا اس وقت کے یہودی اور نصرانی ہوں یا عرب کے دوسرے بُت پرست قبائل ہوں وہ سب کے سب اس حقیقت سے ناواقف تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی اپنے مخالفین کے مقابلہ میں یہی آواز ہوتی تھی اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ ' کیا اللہ تعالیٰ کافی نہیں ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یا اللہ کے علاوہ کسی اور کی احتیاج پیدا ہوسکتی ہے؟ نہیں لیکن مخالفین چونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور اس کی صفات کی معرفت نہیں رکھتے تھے اس لئے وہ مسلمانوں کو ڈراتے تھے کہ تم تعداد میں تھوڑے ہو مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تو جب مٹی کے ایک ذرہ کو اپنی انگلی میں پکڑ کر آسمان کی بلندیوں کی طرف لے جانا چاہتا ہے تو وہ لے جاتا ہے اور دنیا کے سارے انسان مل کر بھی اللہ تعالیٰ کے اس منشاء میں روک نہیں بن سکتے۔

مخالفین سمجھتے تھے مسلمانوں کے پاس جتھا نہیں ہے، مال و دولت نہیں ہے، سامان نہیں ہے، وسائل نہیں ہیں، کوئی ان کا سہارا نہیں ہے۔ وہ چونکہ دنیا کے بندے تھے اس لئے دنیوی سہاروں

سے آگے ان کی نظر نہیں جاتی تھی اور جو اس دنیا کا حقیقی سہارا ہے وہاں تک ان کی نگاہ اور عقل کی رسائی نہیں تھی اس لئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کو دوسری طاقتوں سے ڈراتے تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِعَزِیۡزٍ ذِی انۡتِقَامٍ (الزمر :۳۸) یعنی کیا اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اس کے کرنے پر وہ غالب نہیں ہے؟ اس میں مسلمانوں کو یہ سبق دیا کہ جو میں چاہتا ہوں وہی ہوگا۔ تمہیں ان مخالفین سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اس دنیا پر اس رنگ میں غالب آئے کہ دنیا کے اندھیروں کو وہ دور کر دے اور اس دنیا کے سینوں کو اللہ تعالیٰ کے نور سے منور کر دے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے اس واسطے ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور مخالفین جو تدبیریں کرتے ہیں میں انہیں ان کی سزا دوں گا کیونکہ میں انتقام لینے والا بھی ہوں مجھے انتقام لینے کی طاقت ہے اس لئے ان کی ساری مخالفانہ تدبیریں خاک میں مل جائیں گی۔

پس اس آیۂ کریمہ میں پہلے مسلمانوں کو یہ کہا اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ اور پھر ان کے منہ سے غیروں میں اس کی تبلیغ کروائی۔ دوسری طرف کافروں سے کہا کہ اللہ عزیز بھی ہے اور انتقام کی بھی طاقت رکھنے والا ہے وہ جو چاہتا ہے وہ کرے گا اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ کافر جو چاہتے ہیں اور جو ان کے منصوبے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ملیامیٹ کر دے گا اور خاک میں ملا دے گا۔ البتہ منصوبے بنانے کی ان کو اجازت ہوگی۔ چنانچہ قریشِ مکّہ نے بھی مسلمانوں کے خلاف منصوبے کئے۔ عرب کے دوسرے قبائل جن کی لاکھوں کی تعداد تھی انہوں نے بھی بعض چھوٹے چھوٹے قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر مسلمانوں کے خلاف منصوبے باندھے۔ پھر یہود کی سازش ساتھ مل گئی۔ یوں سمجھنا چاہئے کہ اس وقت کی دنیا کا Spear head (سپئیر ہیڈ) یعنی نیزہ کی اَنّی جو تھی وہ اسلام کے خلاف نظر آتی تھی پھر پیچھے تو نیزے کا پھل یا دو پھلہ کہنا چاہئے یعنی کسریٰ اور قیصر کی شوکت اور دنیوی طاقت اسلام کے مقابلے پر آئی لیکن نیزے کی اَنّی جو تھی وہ کفارِ مکّہ یا عرب کے دوسرے قبائل کے حملہ آور ہونے کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے منصوبے کئے اور ہر قسم کے منصوبے کئے۔ قرآن کریم میں سورۂ طارق میں اسی طرف اشارہ ہے فرمایا ’’اِنَّهُمۡ يَكِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا‘‘ وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں گے۔ داؤ پیچ سے

کام لیں گے۔ ان سے ہم انہیں نہیں روکیں گے۔ ویسے اللہ تعالیٰ کو تو یہ بھی طاقت ہے کہ کسی کو منصوبہ ہی نہ کرنے دے لیکن اگر اللہ تعالیٰ اپنی اس قدرت کو ظاہر کرے تو پیار کے وہ جلوے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دکھانا چاہتا ہے یعنی اس کی حفاظت کے جلوے، اس کی قدرتوں کے جلوے، اس کے حسن و احسان کے جلوے دنیا کس طرح دیکھے؟ مخالفین تو دیکھ لیں گے لیکن دنیا کو نظر نہیں آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مخالفین اسلام جو بھی مکر اور سازش کرنی چاہیں وہ کریں میں انہیں اس سے نہیں روکوں گا بلکہ اس میں انہیں مہلت بھی دوں گا لیکن جب ان کی سازشیں زور پکڑیں گی تو میں ابھی کچھ عرصہ اپنی قدرت نہیں دکھاؤں گا اور اپنے کمزور بندوں سے کہوں گا کہ تم صبر اور دعا سے کام لو چنانچہ خدا کے بندوں کے خلاف جب بھی منصوبے کئے گئے وہ صبر سے کام لے رہے ہوں گے وہ گالیاں سن کر دعا دے رہے ہوں گے۔ انہیں زہر دیا جائے گا اور وہ میٹھا شربت پلا رہے ہوں گے۔ ان کے لئے قحط کے سامان پیدا کئے جا رہے ہوں گے اور جب وقت آئے گا تو یہ قحط دور کرنے کے سامان پیدا کریں گے۔ مسلمانوں کو اغوا کیا جائے گا اور اسلام اغوا کے سارے راستوں کو بند کر رہا ہوگا۔ مسلمان مخالفین کے ہر مکر کا جواب صبر اور تقویٰ کی راہوں پر چل کر اور دعا کے ساتھ دے رہے ہوں گے۔ مگر اندھی دنیا سمجھے گی کہ اس بے کس قوم کا کوئی سہارا نہیں ہے لیکن بینا آنکھ اور وہ جس کی آنکھ ہمیشہ ہی کھلی رہتی ہے اور جو علّام الغیوب ہے وہ کہے گا کہ تم صبر کرو۔ وقت آنے پر تم دیکھ لو گے میں کیا کرتا ہوں۔ فرماتا ہے اِنَّهُمۡ يَكِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا وَّ اَكِيۡدُ كَيۡدًا یعنی میں اپنی منشاء اور مرضی کے مطابق اپنی تدبیر کروں گا جو اپنے وقت پر ظاہر ہوگی۔ غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک عرصہ ایسا آئے گا کہ میرے ماننے والے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے فدائی دنیا کی نگاہ میں بے سہارا ہوں گے لیکن میں ان کا سہارا ہوں گا اور میں ان سے کہوں گا کہ میں تمہارا سہارا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے متبعین کے خلاف یہ منصوبے اس لئے کئے جائیں گے کہ وہ خدا کے بندوں کو توحیدِ خالص کی طرف بلا رہے ہوں گے اور انہیں ان کے انسانی حقوق دلوا رہے ہوں گے اور اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ کا عظیم نعرہ بلند کر کے وہ یہ

کہہ رہے ہوں گے کہ انسان، انسان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا انسان کسی ماں نے نہ اب تک جنا اور نہ آئندہ جن سکتی ہے ایسا عظیم الشّان وجود جو اللہ تعالیٰ کا حقیقی محبوب ہے اور باقی ہر ایک نے اسی کے طفیل خدا کی محبت کو پایا ہے اس کی زبان سے یہ عظیم کلمہ نکلوا دیا کہ میں تمہارے جیسا انسان اور تم میرے جیسے انسان ہو۔ جب یہ مساوات اور برابری کا عظیم الشان اعلان ہوا تو مکہ کے سرداروں نے کہا کہ یہ کہاں کی آواز اٹھی؟ کیا ہم اور ہمارے غلام برابر ہیں؟ کیا ہمارا قبیلہ جو خانہ کعبہ کا محافظ ہے یہ اور عرب کے دوسرے قبائل برابر ہو گئے؟ کیا عرب کے رہنے والے اور حبشہ اور دوسرے افریقی ممالک کے رہنے والے برابر ہو گئے؟ یہ کیسی آواز ہے؟ ہم تو اسے نہ سمجھ سکتے ہیں، نہ اسے برداشت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس پاک اور بلند اور عظیم آواز کے خلاف منصوبے بنانے شروع کر دیئے جن کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی طاقت کے زور سے اپنی برتری کو قائم رکھیں گے اور مساوات کو قائم نہیں ہونے دیں گے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب کا یہ فرمان ہے کہ اس نے ہر انسان کو پیدا کیا اور اس کے اندر تمہیں جو بھی قوت اور استعداد نظر آتی ہے وہ اس کی پیدا اور عطا کردہ ہے اور فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا منشاء ہے کہ ہر فردِ واحد کی تمام قوتوں کی نشوونما کو کمال تک پہنچایا جائے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رب العالمین کی حیثیت سے ہر فردِ واحد کی تمام قوتوں اور استعدادوں کی نشوونما کو کمال تک پہنچانے کے لئے جس مادی اور غیر مادی چیز کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دی ہے۔ انسان کی قوتیں اور استعدادیں جسمانی بھی ہوتی ہیں اور اخلاقی اور روحانی بھی ہوتی ہیں۔ ان قوتوں اور استعدادوں کی نشوونما کے کمال تک پہنچنے کے وسائل اور ذرائع مادی اور غیر مادی دو حصوں میں منقسم ہوتے ہیں۔

جسمانی لحاظ سے مثلاً طیّب غذا کی ضرورت ہے اور خالی حلال ہی نہیں کیونکہ حلال میں اللہ تعالیٰ کی اس طرح کی شان نظر نہیں آئے گی اس لئے نہ صرف حلال بلکہ حلال اور طیّب غذا کی ضرورت ہے۔ ہر فرد کے جسم کا تقاضا مختلف ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے ہزار قسم کی حلال چیزیں پیدا کی ہیں اور ہزار قسم کی نعمتیں مہیا فرمائی ہیں اور فرمایا کہ میری ان ہزار قسم کی اشیاء اور نعماء میں سے طیّب اور اپنے مناسب حال چیزوں کو استعمال کرو گے تو تمہاری جسمانی

طاقتیں نشوونما کرتی ہوئیں اپنے کمال کو پہنچ جائیں گی اب مثلاً ایک بچہ ہے اس کی جسمانی ضرورت الگ ہے۔ بعض دفعہ وہ چنے کھانا چاہتا ہے اور ماں باپ کہتے ہیں کہ نہیں ہم تمہیں دودھ پلائیں گے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے قانون اور ماں باپ کی خواہش کے درمیان لڑائی ہو جاتی ہے اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اس کے ماں باپ غلط اندازہ لگاتے ہیں اور غلط بات جاری کرنا چاہتے ہیں اور یہ ایک واقعاتی چیز ہے یہ کوئی فلسفہ نہیں ہے۔ میں ایسے واقعات کا شاہد ہوں کہ بچے کو دست آ رہے ہیں اور وہ کہتا ہے میں نے چنے کھانے ہیں۔ ماں باپ کہتے ہیں کہ یہ بچہ پاگل ہے۔ ہم نے اس کو چنے نہیں دینے مگر وہ چنے کھانے پر بضد ہے۔ کوئی سمجھدار کہتا ہے کہ یہ دو سال کا ناسمجھ بچہ ہے یہ چنے کھانے کی آواز اس کے اندر کی آواز ہے اسے چنے کھانے دو چنانچہ اسے چنے کھانے کی اجازت دی گئی اور بچے کے اسہال بند ہو گئے۔

پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر فرد واحد اپنے اندر ایک انفرادیت رکھتا ہے اور اس طرح جو تنوع پیدا ہوتا ہے یہ خدا کی واحدانیّت کی ایک دلیل ہے۔ ہر جگہ آپ کو تنوع نظر آتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اکیلا ہے اپنی ذات میں اور یکتا ہے اپنی صفات میں۔ ویسے ہمارا علم اور عقل چونکہ محدود ہے ہم بعض اصول بنا لیتے ہیں اور چیزوں کی گُروپنگ کر دیتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے ہر فردِ واحد کے جسم کی بناوٹ اپنی انفرادیت کی وجہ سے غذاؤں کے ایک خاص قسم کے مجموعہ کو چاہتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ایک اور قانون کے مطابق غذاؤں کا جو balance (بیلنس یعنی توازن) ہے اسے قائم رکھنے ہی سے انسان کی جسمانی قوتوں کی بہترین نشوونما ہو سکتی ہے ورنہ توازن قائم رکھنے کے بغیر نشوونما کمال کو نہیں پہنچ سکتی۔ ویسے بہترین نشوونما اور واقعاتی نشوونما میں انیس بیس کا فرق بھی رہ سکتا ہے اور دس بیس کا فرق بھی رہ سکتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر فردِ واحد کی جسمانی قوتوں کی نشوونما کے لئے متوازن غذا بننے کے لئے غذا کی جن اقسام کی ضرورت تھی وہ میں نے پیدا کر دی ہیں۔ انسان اگر ان ہزاروں چیزوں کی باریکیوں میں جائے تو اس کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ انسان کا تخیل وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ انسانی تصور ان چیزوں کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا کیونکہ ان چیزوں میں بہت وسعت ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہے کہ اس نے اپنے بندوں میں سے ہر ایک کو جو قوتیں اور استعدادیں دی ہیں ان قوتوں اور استعدادوں کی نشوونما اپنے کمال تک پہنچنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اسباب پیدا کر دیئے ہیں اگر کسی کو اس کی ضرورتوں کے مطابق یا قوتوں کی نشوونما کے لئے پوری چیزیں نہیں ملتیں تو اس میں یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہے مثلاً قحط پڑ جاتا ہے چیزیں نہیں ملتیں لیکن اس کا کسی پر کوئی الزام نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان ہے۔ پس یا تو یہ شکل ہوتی ہے اور یا یہ شکل ہوتی ہے کہ ظلم کے نتیجہ میں چیزیں نہیں ملتیں۔ ایک اور آدمی کے پاس تو ہیں لیکن وہ ضرورتمند کو نہیں دے رہا۔ جب خدا کے ان بندوں کے لئے آواز اٹھائی جاتی ہے (اور اٹھائی گئی کہنا چاہئے کیونکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وقت کے زمانے کی باتیں کر رہا ہوں) تو اس وقت کے بڑے بڑے سرمایہ دار اور امیر لوگوں نے کہا کہ ہمارے مالوں میں ان غریبوں کا کہاں سے حق پیدا ہو گیا؟ چنانچہ قرآن کریم نے اس کا ذکر کیا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ تم ہمیں اس چیز سے منع کرتے ہو کہ ہم اپنے مالوں میں اپنی مرضی سے تصرّف نہ کریں اور جس طرح خدا کا منشاء ہے اسی طرح خرچ کریں اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے اموال کے مالک ہوتے ہوئے اپنی مرضی کے مطابق خرچ نہ کریں؟

چنانچہ یہ آواز اٹھائی گئی ایک مساوات کی اور دوسری غربت کے دور کرنے کی (یہ تو مجھے نہیں کہنا چاہئے بلکہ مجھے تو کہنا چاہئے کہ) ہر قسم کے حقوق کی ادائیگی کی اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بڑے زور دار الفاظ میں فرمایا کہ اگر تم میرے غریب بندوں کا خیال نہیں رکھو گے تو جہنم میں جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ نے جہنم اسی لئے پیدا کی ہے۔ چنانچہ قران کریم میں ایک جگہ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم دو وجہ سے بنائی ہے ایک توحید پر قائم نہ رہنے کے نتیجہ میں جہنم ملتی ہے اور دوسرے اللہ تعالیٰ کے بندوں کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے جہنم ملتی ہے۔ گویا بنیادی طور پر حقوق اللہ اور حقوق العباد بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ان کی تفصیل نہیں بیان کی گئی۔ غرض جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آواز اٹھائی کہ انسان انسان میں کوئی فرق نہیں ہے تو دشمنانِ اسلام نے سمجھا کہ ہم تو مارے گئے ہم بڑی طاقت رکھتے ہیں اور اپنی اس طاقت کے بل

بوتے پر اپنے آپ کو دوسروں کی نسبت زیادہ ارفع اور اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ ہمارے دماغ میں برتری کے خیالات رچے ہوئے ہیں اگر ہم سب برابر ہو گئے تو ہم تو مارے گئے۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حبشی بلالؓ اور ابوجہل برابر ہو گئے؟ یہ تو نہیں ہوسکتا چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مساوات انسانی کی اس عظیم آواز کے اٹھانے پر دنیا مخالف ہوگئی۔ جب آپ نے عزتِ انسانی کی آواز اٹھائی (جو دراصل مساوات ہی کا ایک پہلو ہے) اور فرمایا سب لوگوں کی عزت کرنی پڑے گی۔ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں کوئی آدمی حقیر نہیں ہے ورنہ خدا تعالیٰ پر یہ اعتراض آتا ہے کہ اس نے حقیر انسان بھی پیدا کیا ہے حالانکہ اسلام کہتا ہے کہ جس کو خدا نے پیدا کیا ہے وہ خدا کی نگاہ میں حقیر نہیں ہوسکتا اور جو خدا کی نگاہ میں حقیر نہیں ہوسکتا وہ خدا کے بندوں کی نگاہ میں بھی حقیر نہیں ہونا چاہئے چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عزت انسانی کی یہ آواز اٹھائی تو مخالفین نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تم ہمیں اس بات سے روکتے اور منع کرتے ہو کہ ہم دوسرے لوگوں کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھیں یہ نہیں ہوسکتا۔ ہم طاقت رکھتے ہیں اور تمہیں کچل کر رکھ دیں گے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کے خلاف منصوبے بنانے شروع کر دیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق جب یہ فرمایا کہ ہر فرد کی برابری اور اس کی عزت کے قیام کے بعد جہاں تک ممکن ہو (یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ بعض دفعہ ابتلاء بھی آیا کرتے ہیں) انسانی قوتوں اور استعدادوں کو نشوونما کے کمال تک پہنچنا چاہئے تو مخالفینِ اسلام نے کہا کہ یہ بات تو ہمارے اموال لوٹنے کے مترادف ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ انہیں جو مال و دولت ملی ہے یہ اللہ کی عطا کردہ نہیں بلکہ اسے انہوں نے اپنی محنت، کوشش اور عقل کے استعمال کے علاوہ دوسروں کی مدد سے اکٹھا کیا ہے۔ ہمیں یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں سے خدا کے بندوں پر خرچ کرو۔ یہ تو نہیں ہوسکتا۔

پس مساوات کی یہ آواز عزتِ انسانی کی یہ آواز دراصل حقوقِ انسانی کے قیام کا ایک عظیم اعلان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ یہ کوئی فلسفہ نہیں ہے بلکہ قرآن کریم کی یہ تعلیم عملاً انسانی زندگیوں کو بدل دینے

والی اور قوموں کی زندگی میں ایک انقلابِ عظیم بپا کرنے والی ہے۔ یہ تعلیم محض خیالی یا عقلی نہیں ہے۔ دنیا نے اس کے عملی مظاہرے دیکھے ہیں چنانچہ اسلام کی اس تعلیم کے نتیجہ میں ہر جگہ برابری اور مساوات آ گئی۔ عرب اور عجم کے درمیان کوئی فرق نہ رہا۔ گورے اور کالے کے درمیان کوئی فرق نہ رہا۔ امیر اور غریب کا امتیاز مٹ گیا۔ انسان اب بھی جب مسلمان کہلانے والوں کے اندر یہ تفریق دیکھتا ہے۔ تو حیران رہ جاتا ہے۔ یوں تو سارے خدائے واحد و یگانہ پر ایمان لانے والے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار کرنے کا دعویٰ کرنے والے ہیں مگر ان میں سے ایک باعزت بن گیا اور دوسرا ذلیل ہو گیا جو آدمی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دامن سے چمٹا ہوا ہے وہ ذلیل کیسے ہو گیا؟

پس یہ دو عظیم نعرے تھے۔ ایک توحید کے قیام کا نعرہ اور دوسرا حقوقِ انسانی کے قیام کا نعرہ۔ حقوقِ انسانی کے قیام کے نعرہ میں بنیادی طور پر دو چیزیں تھیں ایک مساواتِ انسانی اور شرفِ انسانی کا نعرہ اور اعلان اور دوسرے انسانی قویٰ اور استعداد کی کامل نشوونما کا نعرہ اور اسلام نے مسلمانوں کو حقوقِ انسانی کے قیام کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں قیادت بخشی ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں سمجھ عطا کی ہے اور ہمارے لئے ایک کامل اور مکمل تعلیم اتاری ہے اور ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ اس تعلیم کے ذریعے ساری دنیا میں ایک Revolution (ریوولوشن) یعنی ایک انقلاب بپا کر دو۔ قوموں کی زندگی ان کے خیالات اور فکر و تدبر کی کایا پلٹ کر رکھ دو اور اس طرح ثابت کر دو کہ انسان انسان برابر ہیں۔ یہی پیغام میں افریقہ کے دورے میں لوگوں کو دے کر آیا ہوں کہ اب وہ دن چڑھ گیا ہے کہ آئندہ کوئی انسان تمہارے ساتھ نفرت اور حقارت کا سلوک نہیں کرے گا اسلام کی یہ اتنی عظیم تعلیم تھی اور اس کے خلاف اتنے عظیم منصوبے باندھے گئے چنانچہ جب ہم ان منصوبوں کی تفصیل میں جاتے ہیں تو ہمیں ان کی عجیب شکلیں نظر آتی ہیں۔ اس سلسلہ میں بھی میں مختصراً کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّهُمْ يَكِيدُوْنَ كَيْدًا کہ یہ جو اسلام نے مساواتِ انسانی اور شرفِ انسانی کے عظیم اعلان کئے ہیں جن لوگوں نے ان کو پسند نہیں کیا اور اس تعلیم کو ماننے سے انکار کر دیا ہے انہوں نے اس کے خلاف جو مختلف منصوبے کئے ان میں سے ایک منصوبہ اغوا کا

تھا۔ اغوا کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں لیکن اغوا کے اصل معنے یہ ہیں کہ کسی انسان کو اس ماحول میں جو اس کا اپنا ماحول ہے پرورش پانے اور تربیت حاصل کرنے سے محروم کر دیا جائے۔ یہ اغوا کا اصل نتیجہ ہے اور اصولی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ اغوا کے معنے ہی یہ ہیں کہ بعض لوگ بچے کو اٹھا کر لے جاتے ہیں اور دوسری جگہ لے جا کر بیچ دیتے ہیں۔ اب مثلاً ایک نہایت شریف خاندان کا دینی ماحول میں پرورش پانے والا بچہ ہے ظالم انسان اسے اٹھاتا ہے اور کسی دوسری جگہ جا کر غلام بنا کر بیچ دیتا ہے یا مثلاً لڑکی ہے تو اسے نہایت گندی جگہوں پہنچا دیا جاتا ہے حالانکہ اس بچے یا بچی کے ماحول میں جس میں اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا اس ماحول میں تو یہ فضا نہیں تھی۔ اس ماحول میں تو نیکی تھی اس ماحول میں تو قرآن کریم کی تعلیم تھی اس ماحول میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کو پیدا کرنے کا چرچا تھا اس ماحول میں تو اللہ تعالیٰ سے ذاتی محبت پیدا کرنے کے سبق دئے جاتے تھے۔غرض اغوا کرنے والے اس دینی ماحول سے نکال کر بچوں کو ایک اور گندے ماحول میں لے جاتے اس لئے میرے نزدیک اغوا کے اصل معنے یہ ہیں کہ انسان کو ایسے ماحول سے محروم کر دیا جائے جس ماحول میں وہ اور اس سے تعلق رکھنے والے تربیت حاصل کرنا یا تربیت دینا چاہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کے خلاف بھی اسی قسم کا منصوبہ بنایا گیا چنانچہ صلح حدیبیہ میں یہ شرط رکھدی گئی کہ مکہ میں جو آدمی مسلمان ہوگا وہ مدینے میں نہیں جا سکے گا یعنی ایسے مسلمان کو اس تربیت سے محروم کر دیا گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر وہ حاصل کر سکتا تھا اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّهُمۡ يَكِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا۔ یہ واقعی ایسا عجیب فریب تھا کہ حضرت عمرؓ جیسے صاحبِ فراست بھی ڈگمگا گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیا تھا کہ مخالفین مختلف قسم کی ''کید'' کرتے ہیں انہیں ایسا کرنے دو تم اس کی فکر نہ کرو اس سے تمہیں انجام کار فائدہ پہنچے گا یعنی ان کی اس ''کید'' یعنی سازش کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ جو ''کید'' یعنی تدبیر کرے گا وہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے گی۔

غرض کفارِ مکہ نے اغوا کا منصوبہ بنایا اور اس طرح بیسیوں مسلمانوں کو اس تربیت سے محروم کیا جسے وہ حاصل کرنا چاہتے تھے یا اس تربیت سے محروم کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے صحابہؓ کو اپنے پَروں کے نیچے رکھ کر دینا چاہتے تھے اور یہی اغوا ہے۔ غرض مسلمانوں کے خلاف ایک اس قسم کے اغوا کا منصوبہ بنایا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم اغوا کا یہ منصوبہ بناؤ ہم اسے ناکام بنا دیں گے البتہ جس طرح اغوا کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ جو قادر وتوانا ہے اس کا کوئی جلوہ Repeat (ری پیٹ) نہیں ہوتا (یعنی دہرایا نہیں جاتا) یعنی اس میں Monotony (مونوٹنی اکتا دینے والی یکسانیت) نہیں پیدا ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے جلوے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرّحمٰن:۳۰) کی رو سے کبھی ایک شکل میں اور کبھی دوسری شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں چنانچہ کفار کے اس اغوا کے منصوبہ کے خلاف اللہ تعالیٰ تدبیر کرتا رہا اور ان کو اس منصوبے میں ناکام بناتا رہا اور جب تک ایک مومن یا مسلمان کو اسلام پر قائم رہنے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی توفیق ملتی رہتی ہے یا جن کو ملتی ہے اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرتا ہے جیسا کہ اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے کیا تھا۔

کفار کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کے خلاف دوسری ”کید“ (یعنی تدبیر یا سازش) یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو دھوکے سے قتل کر دیتے تھے۔ اب دھوکے سے قتل کر دینا کئی شکلوں کا ہوتا ہے مثلاً ایک یہ کہ پیٹھ کی طرف سے آکر پیچھے سے چھُرا گھونپ دینا، یہ بھی دھوکے کا قتل ہے اور دین سیکھنے کا بہانہ بنا کر ستّر حفّاظ کو لے جانا اور وہاں انکو شہید کر دینا یہ بھی دھوکے کا قتل ہے یا مثلاً ۱۹۴۷ء میں ہندو اور سکھ مسلمانوں کی ریل گاڑیوں کو پٹڑیوں سے نیچے اتار دیتے تھے یہ بھی دھوکے کا قتل ہے۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے خلاف دھوکے سے قتل کرنے کی بھی سازش ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ نے فضل کیا۔ اگر ایک مسلمان دھوکے سے قتل ہوا تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ نے اس جیسے ہزاروں مسلمان دے دیئے مثلاً یہ حُفّاظ کا قتل ہے یہ ستر آدمیوں کا قتل نہیں بلکہ ستّر حفّاظ کا قتل ہے۔ ان کے بدلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے آدمی ملنے چاہئے تھے جنہیں قرآن کریم حفظ ہوتا تبھی تو ان کی سازش ناکام ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار مسلمانوں کو قرآن کریم حفظ کرنے کی توفیق بخشی۔ چھوٹی چھوٹی فوجیں باہر جاتی تھیں

اور ان کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں حفّاظ ہوتے تھے۔(اب مشکل پڑ گئی ہے کیونکہ لوگوں نے قرآن کریم سے وہ پیار نہیں کیا۔ ہماری جماعت میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک رَو شروع ہوئی ہے) جس کا مطلب یہ ہے کہ بڑی کثرت سے لوگ قرآن کریم حفظ کرتے تھے اور اگر کسی کو پورا قرآن کریم حفظ نہیں تھا تو بڑی بڑی سورتیں اور کئی سپارے یاد ہوتے تھے حتیٰ کہ چھوٹے بچوں کو بھی بہت سی سورتیں یاد ہوتی تھیں (ہمارے گھروں میں بھی اس کا شوق پیدا کرنا چاہئے۔ دس پندرہ سال کے بچوں کو آخری سیپارے کی چھوٹی چھوٹی سورتیں ضرور یاد کروا دینی چاہئیں)

پس کفّار نے دھوکہ دہی سے قرآن کریم کے حفّاظ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس طرح اسلام کو ستّر حفّاظ سے محروم کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے یہ زندگی تو ہے ہی عارضی کوئی آدمی بستر پر مَر جاتا ہے اور کوئی اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جاتا ہے تم نے اسلام کو ایسے ستر مخلصین سے محروم کیا تھا جنہیں قرآن کریم زبانی یاد تھا اور اس وقت تو مسلمانوں کی تعداد بھی تھوڑی تھی۔ حفاظ کے قتل کا یہ واقعہ سن چار ہجری کا تھا فتح مکہ کے موقع پر مسلمان مردوں کی تعداد دس ہزار تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت یافتہ تھے۔ تو چار ہجری میں تو بہت ہی کم ہوں گے اور اس وقت حافظ قرآن بہت تھوڑے تھے۔ ان میں سے کفار نے اپنی طرف سے بہت سارے شہید کر دیئے لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لاکھوں کی تعداد میں حفّاظ دیئے اور اب تک دیتا چلا آیا ہے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی اور فیض رساں زندگی چند سالوں میں ختم نہیں ہوئی۔ آپ کو ابدی زندگی عطا ہوئی ہے۔ آپ کے روحانی فیوض کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس واسطے جب میں آپ کی زندگی کا ذکر کرتا ہوں تو اس سے دونوں طرف اشارہ ہوسکتا ہے یعنی آپ کے اپنے زمانہ میں بھی اور بعد میں اب تک آپ کے روحانی فیوض جاری وساری ہیں۔ چنانچہ اس عرصہ میں کروڑوں مسلمانوں کو قرآن کریم حفظ کرنے کی سعادت ملی جس سے مخالفین کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ انہوں نے تو یہ سوچا ہوگا کہ اس طرح بھی اسلام کو ضرب لگے گی یعنی اگر کوئی سارے مذہبی علماء کو قتل کرنا چاہے تو اس کی

خواہش تو یہی ہوگی کہ علمِ دینِ اسلام جاننے والے باقی نہ رہیں۔ تو حفّاظ کے اس قتل میں بھی ایک خیال یہی کارفرما تھا کہ قرآن کریم کو زبانی یاد رکھنے والے باقی نہ رہیں اور اس طرح اسلام کے اندر کمزوری پیدا ہوجائے۔ بعد میں کئی اورخرابیاں بھی پیدا ہوسکتی تھیں لیکن قرآن کریم کو نازل کرنے والے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار کرنے والے قادروتوانا خدا نے فرمایا کہ نہیں! میں تمہارا یہ منصوبہ خاک میں ملا دوں گا۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ اس میں ہر قسم کا دھوکہ ہوسکتا ہے۔ پیچھے سے چھُرا بھی گھونپا جاسکتا ہے۔ جس طرح دھوکے سے لے جاکر حفّاظ کو قتل کیا تھا۔ اس طرح بھی قتل کیا جاسکتا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں جس طرح سکھوں اور ہندوؤں نے ریلوں کو پٹڑیوں سے اتار دیا تھا جن میں مسلمان آرہے تھے وہ بھی ایک دھوکے کا قتل ہے لیکن دھوکے سے قتل کرنا اصولی طور پر یہ ایک عنوان ہے جس کے نیچے کفار کے بہت سارے اعمال آجاتے ہیں۔ کبھی وہ ایک قسم کا دھوکہ کرتے تھے کبھی دوسری قسم کا دھوکہ کرتے تھے مگر جب بھی وہ دھوکہ کرتے تھے خدا تعالیٰ اپنی ایک نئی اور نرالی شان کے ساتھ ظاہر ہوتا تھا اور ان کے ناپاک منصوبے کو ناکام بنا دیتا تھا۔

عجیب تھا وہ انسان (صلی اللہ علیہ وسلم) اور عجب تھے وہ لوگ (رضوان اللہ عنہم) جو اس سے پیار کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر آپ کے صحابہ پر بے شمار رحمتیں اور برکات نازل فرمائے خدا فرماتا تھا کہ مخالفین تمہارے خلاف سازشیں کریں گے مگر تم نے صبر کرنا ہے وہ کہتے تھے کہ اے خدا! کوئی ہمارے خلاف جو مرضی ہے۔ سازش کرتا رہے ہم تیری راہ میں ثباتِ قدم دکھائیں گے اور صبر سے کام لیں گے۔ اے ہمارے رب! ہم جانتے ہیں کہ تو ہمارے لئے کافی ہے۔ تیرے سوا ہمیں کسی اور کی احتیاج نہیں ہے۔ ہمیں یہ بھی پتہ ہے کہ یہ بیوقوف ہیں۔ یہ سمجھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ عزیز بھی ہے اور انتقام کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

ایک اور مکر اور سازش جو مسلمانوں کے خلاف کی گئی۔ جو دین کے نام پر جمع ہوکر بقول خود ان بے دینوں کو ہلاک کرنے کی سازش تھی۔ قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں کو پہلے سے یہ بتا دیا تھا کہ کفار یہ سازش کریں گے لیکن ناکام ہوں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر:۴۶) الٰہی سلسلوں کے

ساتھ ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے یہاں تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا الٰہی سلسلہ جو پہلے تمام الٰہی سلسلوں سے مختلف بھی ہے اور وسیع بھی ہے اور بہت ارفع اور اعلیٰ بھی ہے کیونکہ انسانیت اپنے ارتقائی ادوار میں سے گزرتی ہوئی اپنی بلندیوں تک پہنچ چکی تھی۔ اس سلسلہ میں خدا کی طرف بلانے والے صابی کہلانے لگے یعنی بے دین سمجھے جانے لگے اور یہ کفار مکہ جو بُت پرست تھے اور یہودی جو تورات کے حامل تھے بزعم خویش دیندار بن گئے اور پھر یہ سارے نام نہاد و دیندار ـــــ بے دینوں کو نعوذ باللہ ہلاک کرنے کے لئے اکٹھے ہوگئے یعنی یہ بھی انہوں نے ایک منصوبہ بنایا تھا کہ دین کے نام پر اکٹھے ہو کر سب نے اسلام کے خلاف منصوبہ بنا لیا اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ۔ یہ سارے بے دین ـــــ دین کے نام پر اکٹھے ہوگئے اور وہ جو خدا کے عاجز بندے تھے ان کو بے دین قرار دے کر انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے تم کوشش کرو یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بات سے نہیں روکا کہ وہ اکٹھے نہ ہوں بلکہ انہیں اکٹھا ہونے دیا اور مہلت بھی دی کہ تم اکٹھے ہو کر سوچو اور منصوبہ بناؤ اور پھر حملہ کرو اور مدینے کو گھیرے میں لے لو مگر وہ خدائے قادر و توانا جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین کے ہر پہلو سے یہ نظارہ دیکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ جب میری گرفت آ گئی تو تم اس سے کیسے بچ کر جاؤ گے؟ چنانچہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف منصوبہ بنایا اور آپ کی مخالفت میں وہ سب اکٹھے ہوگئے۔ یہود بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ باہر کے بہت سے قبائل بھی ساتھ مل گئے۔ سردارانِ مکہ جو اپنے آپ کو سارے عرب کا سردار سمجھتے تھے وہ اب مسلمانوں کے خلاف اس متحدہ کمان کے سردار بن گئے اور انہوں نے مدینے کو گھیرے میں لے لیا ہے۔ مسلمانوں کی بظاہر بڑی نازک حالت ہے (اگر تمثیلی زبان میں یہ الفاظ بول دیئے جائیں تو میں کہوں گا کہ) اللہ تعالیٰ آسمانوں پر مسکرا رہا تھا کہ میرے بندوں کو تم ہلاک کرو گے؟ میں نے تمہیں نام نہاد دین پر جمع ہونے کی اجازت تو دے دی ہے لیکن وہ جو میرے حقیقی بندے ہیں اور جنہیں قرآن کریم کی شکل میں ایک کامل اور مکمل دین عطا کیا گیا ہے تم ان کی آواز کو نہیں مٹا سکو گے چنانچہ مسلمانوں کے ہاتھوں کفار کو سزا دلوانے اور عذاب کا مزہ چکھانے کی بجائے ایک رات

ان پر اللہ تعالیٰ کے غضب کا ایک ہی کوڑا پڑا اور وہ سارا مجمع منتشر ہو گیا۔

غرض الٰہی سلسلوں کے خلاف ایک منصوبہ یہ بنایا جاتا ہے کہ دین کے نام پر سب بے دین اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ دیکھ رہا ہوتا ہے مگر دنیا سمجھتی ہے کہ وہ خاموش ہے حالانکہ وہ خاموش نہیں ہوتا۔ وہ کہتا ہے میں ان کو ڈھیل دیتا چلا جاتا ہوں تا کہ ان کا منصوبہ تیار ہو جائے۔ یہ مشورے کر لیں۔ ان کا اکٹھ ہو جائے اور پھر سامان اکٹھا کر لیں اور اپنی تدبیروں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سردار مقرر کر دیں۔ پھر کوچ کریں اور بالآخر مدینے کو گھیرے میں لے لیں اور سمجھیں کہ وہ کامیاب ہو گئے ہیں چنانچہ اپنی اس تدبیر یا منصوبے کی بناء پر کفار نے مدینے کو آ کر گھیر لیا۔ خدا نے فرمایا یہاں تک تو تمہیں اجازت ہے لیکن اس سے آگے میں تمہیں اجازت نہیں دوں گا کیونکہ میں غالب اور انتقام لینے والا ہوں۔ تمہیں یہ کہا گیا تھا کہ خدا کے نام پر خدا کی طرف بلانے والے کی آواز سنو اور اس کے پیچھے چلو۔ مگر تم نے ایسا نہیں کیا۔ اب جس خدا کی طرف تمہیں بلایا جا رہا تھا وہ غالب اور انتقام لینے والا ہے۔ اب وہ اس صفت یا ان صفات کے جلوے دکھا کر تمہیں یہ بتائے گا کہ میرے اس منادی کی آواز حق وصداقت پر مبنی تھی۔ یہ آواز اس کے اپنے دل کی آواز نہیں تھی۔ یہ آواز کسی منصوبہ کے نتیجہ میں بلند نہیں ہوئی تھی۔ یہ شیطان کی آواز نہیں تھی بلکہ یہ آواز خدائے واحد و یگانہ کی آواز تھی جو خدا کے محبوب کی زبان سے نکلی تھی اور یہی آواز غالب آئے گی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو کہا کہ انہوں نے منصوبے بنائے، بناتے رہیں اور ایک دوسری جگہ فرمایا کہ صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو ان کا ''کید'' (وہاں بھی کید کا لفظ استعمال فرمایا ہے) یعنی ان کا مکر اور ان کی سازش کامیاب نہیں ہوگی چنانچہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر اور تقویٰ کی جو ہدایت دی گئی تھی انہوں نے اس ذریعہ سے خدا کی محبت کو پایا اور خدا کے انتقام کو جوش دلایا۔ اگر مسلمان خود آگے سے جواب دیتے تو خدا تعالیٰ کہتا۔ تم سمجھتے ہو کہ ان کا مقابلہ کرنے کی تمہارے اندر طاقت ہے تو پھر جاؤ ان سے لڑو مگر مسلمانوں نے کہا۔ اے ہمارے خدا! ہمارے اندر کوئی طاقت نہیں ہے۔ یہ ہمیں ہلاک کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ ہم تیری اجازت کے بغیر ان کے خلاف ایک تنکا بھی نہیں اٹھائیں گے چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت

ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھائی اس سے پہلے تو مسلمانوں نے تلوار نہیں پکڑی۔ جب خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ میری طرف سے اجازت ہے تو مسلمان اپنی ٹوٹی ہوئی تلواروں کے ساتھ میدان میں نکل کھڑے ہوئے بعض دفعہ تو ان کی لکڑی کی تلواریں ہوتی تھیں۔ بعض دفعہ تلواروں کے مقابلے میں سوٹیاں حتیٰ کہ خیموں کے ڈنڈے استعمال کرنے پڑے۔ یرموک کی جنگ میں مسلمانوں نے ایک موقعہ پر خیموں کے ڈنڈے استعمال کئے اور مدینہ میں بھی کئے۔ غرض دشمن کی تلواروں کے مقابلے میں یہ چیزیں استعمال ہوتی تھیں۔ اب جو شخص ایک تنکا لے کر ایک پہاڑ کا مقابلہ کرتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ وہی جیتے گا اس شخص پر یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا کہ اس نے اپنے تنکے پر بھروسہ کیا اور اپنے خدا پر بھروسہ نہیں کیا کیونکہ تنکے اور پہاڑ کا آپس میں کوئی مقابلہ ہی نہیں۔

پس تدبیر کی دنیا میں مخالفین کو تھوڑی سی تدبیر کرنے کی اجازت دے دی۔ ادھر مسلمانوں سے فرمایا کہ تمہاری یہ تلواریں کسی کام کی نہیں ہیں۔ میری طاقت آئے گی آسمان سے میرے فرشتے نازل ہوں گے اور وہ تمہارے مخالفین کو ہلاک اور تمہاری حفاظت کریں گے۔

پس مخالفین کا ایک منصوبہ بقول ان کے دین کے نام پر جمع ہو کر جو حقیقی دیندار رہے اسے بے دین کہہ کر ہلاک کرنے کا ہے اور چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ابدی زندگی عطا کی ہے اس لئے قیامت تک اس قسم کے منصوبے ہوتے رہیں گے لیکن میں اس وقت انکا ذکر نہیں کر رہا۔ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زندگی کے واقعات بتا رہا ہوں چنانچہ آپ کے زمانہ میں سارے بے دین آپ کے خلاف اکٹھے ہو گئے یعنی حیرت ہوتی ہے کہ مکہ کے بُت پرست اور تورات کے حامل یہودیوں کا دین تو ٹھیک ہو گیا اور انہوں نے اپنے آپ کو صداقت پر سمجھ لیا لیکن وہ جو خدائے واحد و یگانہ کی طرف لوگوں کو بلاتا تھا۔ وہ جس کے حق میں خانہ کعبہ کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بشارت دی تھی اور تورات کے حامل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی پیشگوئی کی تھی وہ بے دین ہو گیا اور یہ بُت پرست اور یہودی اکٹھے ہو کر دیندار بن بیٹھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا میں ان کو مہلت دوں گا کہ یہ اپنے منصوبوں کو کمال تک پہنچائیں اور مسلمانوں سے فرمایا میں تمہیں کہتا ہوں کہ تم جتنی میں کہوں

اتنی تدبیر کرو تم دعا کرو، تم صبر سے کام لو، تم اشتعال نہ دلاؤ تم گالی کے مقابلے میں گالی نہ دو بلکہ دعائیں دو کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی نمونہ تھا۔ تم معاف کرو البتہ انتقام لینے اور معاف کرنے کی جو صفت ہے اصل میں یہ دونوں حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی ان صفات کے جلوے جس حد تک اپنے بندوں میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اس حد تک ان صفات کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ یہی فرق ہے اللہ تعالیٰ کی تشبیہی صفات اور بندوں کی صفات میں مثلاً اللہ تعالیٰ غالب ہے اور مسلمانوں کو بھی اس نے غلبہ بخشا ہے لیکن اس صفت عزیز میں پھر بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے کیونکہ کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ بندے میں اس جھلک کا اور خدا تعالیٰ کی اصل صفات کا۔ مثلاً جو سورج کی روشنی ہے اس کا ایک چھوٹے سے آئینہ میں جو عکس پڑ رہا ہے اس عکس کا اصل روشنی کے ساتھ کوئی مقابلہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔

اس واسطے ہمارے لئے یہ از حد ضروری ہے کہ توحید خالص کے قیام کے لئے (میں پھر اپنے پہلے پوائنٹ کی طرف عود کرتا ہوں) ہم نہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں اور نہ اس کی صفات میں کسی کو شریک قرار دیں البتہ اس نے ہمیں یہ فرمایا ہے کہ میری صفات کا رنگ اپنے اوپر چڑھاؤ لیکن اس کے ساتھ اس نے ہمیں یہ بھی فرمایا ہے کہ جتنا مرضی چاہو رنگ چڑھا لو تم میرے شریک نہیں بن سکتے۔ حد بندی مقرر ہے مثلاً اس نے فرمایا ہے کہ ہر چیز میری نظر میں ہے۔ میں ہر چیز کو دیکھتا ہوں لیکن اللہ کی نظر اور بندے کی نظر میں بڑا فرق ہے۔ انسان کی نظر محدود ہے۔ انسانی آنکھ روشنی کی محتاج ہے لیکن خدا تعالیٰ کی قوتِ دید کسی روشنی کی محتاج نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ خود روشنی ہے وہ تو تمام جہانوں کا نور ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انتقام کی صفت کا جب وقت آئے گا میں اس کا جلوہ دکھاؤں گا۔ تم بھی اس کا رنگ اپنے اندر پیدا کرو لیکن ابتدائی زمانہ میں تو بالکل اور بعد میں بہت حد تک تمہارے اندر عفو کی صفت کے جلوے نظر آنے چاہئیں۔ انتقام لینے کا جب موقع پیدا ہوگا اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی اجازت دے دے گا۔ مسلمان بھی عجیب قوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے درخت کاٹنے کی اجازت دے دی شاید نو۹ درخت کاٹے گئے تھے اور یہ کوئی بات نہیں۔ یہاں ایک جانگلی جا کر نو نو، دس دس درخت کاٹ دیتا ہے اور اسے اسکا کوئی احساس ہی نہیں ہوتا لیکن

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے عجیب دل اور دماغ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ میرے بندے مجھ میں فنا ہیں یہ میری اجازت کے بغیر کچھ نہیں کرتے۔ میں نے کہا ہوا ہے کہ درختوں کو نہیں کاٹنا چاہئے کیونکہ اگر اس کا رسم ورواج پڑ جائے تو اس سے بنی نوع انسان کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس واسطے جہاں ضرورت پڑی وہاں یہ کہہ دیا کہ میری طرف سے اجازت ہے چنانچہ حدیثوں کی بجائے خود قرآن کریم میں اس کا ذکر فرما کر اسے بنیادی اصول بنا دیا۔ غرض فرمایا کہ تم نے انتقام نہیں لینا میں خود انتقام لوں گا چنانچہ جب یہ سارے اپنی ناسمجھی اور جہالت کے نتیجہ میں ''بے دینوں'' (جو کہ حقیقی دین کے حامل تھے) کے خلاف جمع ہوئے تو خدا نے فرمایا تم نے انتقام نہیں لینا۔ میں نے قران عظیم میں یہ کہا تھا اَکِیۡدُ کَیۡدًا آج میں دنیا کے سامنے تمہارے ذریعہ سے اپنی اس تدبیر کا مظاہرہ کرنے لگا ہوں جس میں تمہارے ہاتھ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اجتماع جو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے نتیجہ میں عمل میں آیا تھا وہ کسی انسانی دخل کے بغیر راتوں رات غائب ہوگیا۔ مسلمانوں کو پتہ ہی نہیں لگا۔ صبح اٹھے تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ نے کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَفِیۡ شَاۡنٍ کی رو سے اپنی ایسی تقدیر چلائی کہ وہ خود ہی بھاگ گئے۔

آپ اس پر بھی غور کریں۔ ایک ہی قسم کی چیزیں ہوتی ہیں۔ انسان دعا کرتا ہے ایک وقت میں اللہ تعالیٰ کی ایک شان نظر آتی ہے۔ دوسرے وقت میں اسکی ایک اور شان نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کا مخالف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک کروڑوں دفعہ شکست کھا چکا اور پتہ نہیں اور بھی کتنی دفعہ اس کو شکست ملے گی لیکن ان کروڑوں موقعوں پر بنی نوع انسان نے اللہ تعالیٰ کے کروڑوں نئے جلوے دیکھے کوئی جلوہ Repeat (ری پیٹ) نہیں ہوا۔ اسی واسطے قرآن کریم میں گزشتہ انبیاء کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایک نبی کے مخالفین کے متعلق ہم نے یہ عذاب نازل کیا۔ دوسرے نبی کے نہ ماننے والوں پر یہ عذاب نازل کیا اور تیسرے نبی کے مخالفین کسی اور قسم کے عذاب کے مورد بنے اور اس طرح اصولی طور پر بتا دیا کہ ہم منکرین انبیاء کو مختلف عذابوں کے ذریعہ پکڑتے ہیں۔ پس ایک یہ تدبیر کی جاتی ہے کہ سارے اکٹھے ہو کر الٰہی سلسلے کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں مگر ہلاک نہیں کر سکتے۔

ایک اور تدبیر اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا کی رو سے تاریخی لحاظ سے ہمیں جو نظر آتی ہے وہ کھانے میں زہر دے کر مارنا ہے۔ ایک تو دھوکے سے مارنا ہے اسے اس کا حصہ بھی بنا سکتے ہیں اور اسے ایک مستقل حیثیت بھی دے سکتے ہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے میں زہر ملا کر قتل کرنے کی کوشش کی گئی اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ یہ ۶۲۸ء کا واقعہ ہے۔ یہودیوں نے بھُنا ہوا گوشت پیش کیا تھا اور اس میں زہر ملا ہوا تھا۔ اس کی تفصیل میں مَیں اس وقت نہیں جاؤں گا۔

بہرحال کفار کا ایک قسم کا منصوبہ یہ تھا کہ کھانے میں زہر ملاؤ اور اس طرح مسلمانوں کو قتل کرو یہ بھی ویسے دھوکے دہی کی ایک شکل بن جاتی ہے لیکن چونکہ یہ بڑی اہم چیز ہے اس واسطے میں نے اس کو علیحدہ رکھا ہے۔ تو گویا زہر دے کر مارنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن وہ قوم جو اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی طرح اس کی ذات اور صفات کی معرفت رکھنے والی ہے وہ اس ناپاک سازش سے محفوظ رہتی ہے۔ اس وقت صحابہ رضوان اللہ علیہم کے خلاف کتنی سازشیں کی گئی ہوں گی۔ بعض تو ظاہر ہوگئی تھیں بعض اندر ہی اندر ناکام ہوگئیں۔ وہ ظاہر بھی نہیں ہوئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کو اس قسم کی زہریلی سازشوں سے محفوظ رکھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابدی زندگی کے طفیل اللہ تعالیٰ قیامت تک آپ کے سچے متبعین کو اس قسم کی سازشوں سے محفوظ رکھے گا۔

پس ایک سچے مسلمان سے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ تمہارے خلاف سازشیں تو کی جائیں گی اور میں ان سازشوں کو تکمیل تک پہنچانے کی اجازت بھی دے دوں گا لیکن ان سازشوں کا وہ نتیجہ نہیں نکلنے دوں گا جو مخالفین چاہتے ہیں کہ نکلے۔ فرمایا ’’اَكِيْدُ كَيْدًا‘‘ اس وقت میں اپنا منصوبہ جاری کروں گا۔ اس وقت میری صفات حسنہ کاملہ تمہارے حق میں کبھی رعب کی شکل میں ظاہر ہوں گی۔ کبھی تمہارے وجود میں دنیا میرے حسن کا جلوہ دیکھے گی۔ تمہارے وجود میں میرا حسن چمکے گا اور اس طرح تم دنیا کے ایک حصے کو اپنی طرف کھینچ لوگے اور انکے دلوں میں اپنا پیار پیدا کرلوگے۔ ابھی وہ تم میں شامل نہیں ہوئے ہوں گے لیکن وہ تمہارے ممدومعاون بن جائیں گے اور کبھی تمہارے نفسوں میں احسان کے جلوے دکھاؤں گا۔ اب کسی کو

اللہ تعالیٰ کے حسن اور احسان کے جلوے دکھانا یہ انسان کی طاقت میں نہیں ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت نہ دے وہ دوسرے سے حسن و احسان کا سلوک کر ہی نہیں سکتا۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کتنے ہی منصوبے کئے گئے۔ میں نے ان کی چند مثالیں دی ہیں چھوٹے چھوٹے عنوان باندھ کر ایک آدھ مثال بھی دے دی ہے۔ غرض آپ کے خلاف منکرین اسلام نے بے شمار منصوبے کئے لیکن آپ کو بتایا گیا تھا کہ منصوبے ہوں گے اور نتیجہ نکلنے تک کامیاب ہوں گے یعنی نتیجہ نکلنے تک کا جو حصہ ہے اس میں کامیاب ہوں گے۔ جب اس حد تک منصوبہ کامیاب ہو جائے گا تو دنیا کی عقل یہ کہے گی کہ اس منصوبے کا یہ نتیجہ نکلنا چاہئے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی شہادت یہ ہوگی کہ میرے بندوں کے خلاف ایک کامل منصوبے کا بھی وہ نتیجہ نہیں نکلے گا جو دنیا کے معیار کے مطابق نکلا کرتا ہے اور میں اپنے بندوں کی حفاظت کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے اس سلوک کا یہ سلسلہ اسی طرح چل رہا ہے البتہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلام کے خلاف بے حد منصوبے ہوئے۔ پہلے دنیائے عرب اور پھر کسریٰ اور قیصر مسلمانوں کے مخالف ہوگئے۔ ان کی ہزاروں لاکھوں کی فوج تھی ان کی فوج کے جرنیل کہتے تھے کہ شام سے پہلے اسلامی فوج کا صفایا کر کے رکھ دیں گے۔ مسلمان ہماری طرف پھر نگاہ اٹھا کر دیکھنے کے قابل نہیں ہوں گے۔ یہ ارادے تھے ان کے اور یہ منصوبے تھے ان کے۔

یہ تدبیر تھی ان کی اور یہ سازش تھی ان کی کہ مسلمانوں کا صفایا کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے تم نے بڑے منصوبے بنا رکھے ہیں۔ سامان تمہارے پاس ہیں۔ ذرا ان سامانوں کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کر کے تو دیکھو۔ بہر حال ان تمام تر تکلیف دہ منصوبوں اور ان تمام سازشوں نے مسلمانوں کے چہروں سے نہ مسکراہٹیں چھینیں اور نہ ان کی قوت عمل سے قوتِ احسان کو چھینا مثلاً حضرت خالدؓ بن ولید اٹھارہ ہزار کی فوج لے کر کسریٰ کی لاکھوں کی فوج کے مقابلے میں چلے گئے تھے۔ انہوں نے کسریٰ کو اپنے پہلے خط میں لکھا کہ میں تمہیں اس بات سے متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جاں نثار سپاہی جو تمہارے مقابلے پر آئے ہیں وہ موتوں سے اس سے زیادہ پیار کرتے ہیں جتنا تم اپنی زندگیوں سے

پیار کرتے ہو چنانچہ ان کے چہرے مسکرا رہے تھے۔ موت ان کے سامنے کھڑی تھی لیکن موت کا یہ احساس ان کی مسکراہٹ نہیں چھین سکا۔ مگر مخالفینِ اسلام کی زندگی کی محبت اور پیار ان کو موت سے بچا نہیں سکا غرض ساری دنیا اکٹھی ہو کر بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں سے مسکراہٹیں نہیں چھین سکی کیونکہ ساری دنیا نے ظلم ڈھانے کی کوشش کی لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین سے قوتِ احسان نہیں چھینی گئی۔

ہم اب تھوڑے سے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ کے فیضان کے جلوے ہماری زندگیوں میں بھی نظر آ رہے ہیں۔ کئی لوگ حیران ہو کر پوچھتے ہیں کہ بات کیا ہے؟ میں ان سے کہا کرتا ہوں کہ بات یہی ہے کہ اسی ۸۰ سالہ تکفیر اور اسی ۸۰ سالہ مخالفت نے نہ ہمارے چہروں سے مسکراہٹ چھینی ہے اور نہ ہم سے قوتِ احسان چھینی ہے۔ ہم ہنستے ہوئے چہروں کے ساتھ بغیر کسی ایک شخص کی بھی دشمنی دل میں لئے ہمیشہ ہر شخص پر احسان کرتے یا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جتنی طاقت دے رکھی ہے اس کے مطابق ہم ہر شخص سے احسان کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو قوتِ احسان عطا کرتا ہے اسے وہ ایک ایسی عظیم تلوار دیتا ہے۔ (اگر مادی رنگ میں مثال دینی ہو) جس کے ٹوٹنے کا کوئی خطرہ نہیں اور جس کی دھار کے کند ہونے کا کوئی ڈر نہیں۔

بس مسکراتے اور ہنستے ہوئے دنیا کے سارے منصوبوں کی خار دار جھاڑیوں کے درمیان سے اپنے نرم راستے کے اوپر آگے بڑھتے چلے جاؤ اور قوتِ احسان ایک عجیب نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ قوت عطا کی ہے اس قوت کے استعمال میں اپنے اور بیگانے میں فرق نہ کرو۔ خدا کے ہر بندے سے وہ پیار کرو جس پیار کا اس نے اپنے بندے کو مستحق قرار دیا ہے اور اپنے آپ کو کسی سے اونچا اور برتر نہ سمجھو خواہ وہ صبح سے شام تک تمہیں گالیاں دینے والا ہو۔ تم نہیں جانتے کہ کل کو اللہ تعالیٰ اسے نہ صرف ایمان کی توفیق دے بلکہ تم سے زیادہ مقبولِ عمل کرنے کی بھی توفیق دے کل کا تمہیں علم نہیں اور آج پر اترانے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔

پس مخالف کے ساتھ بھی پیار کا برتاؤ اور احسان کا معاملہ کرو۔ اسے بھی اپنے وجود میں اللہ تعالیٰ کے حسن کے نظارے دکھاؤ۔ جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں

غلبۂ اسلام کے خلاف سارے منصوبے ناکام ہوئے اور فتح مکہ کے موقع پر یہ عظیم نعرہ لگایا گیا (اور پھر بعد میں ہمیشہ ہی آج تک لگایا جاتا رہا ہے) اور وہ یہ کہ جب مخالفین کو اصلاح کا موقع ملا تو فرمایا ’’ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ‘‘ آج تمہارے ہر قسم کے پچھلے گناہ معاف۔ خدا تمہیں آئندہ نیکیوں پر قائم رکھے پس تم دنیا کے محسن کی حیثیت سے دنیا کے خادم بنائے گئے ہو اس لئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیار کرنے کا دعویٰ بھی رکھتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیار کرنے کی توفیق بھی عطا کی ہے اکثر کو اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ۔ کمزور اور منافق بھی ہوتے ہیں لیکن وہ تو کسی لحاظ سے بھی کسی شمار میں نہیں ہوتے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے تمہیں جس عظیم عطا سے نوازا ہے۔ اس کی قدر کرو اور دنیا کے دل اس عظیم عطا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جیتنے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے (اللّٰھم اٰمین)

(روزنامہ الفضل ربوہ ۴؍جولائی ۱۹۷۱ء صفحہ ۱ تا ۷)